Fikr-o-Nasar (Islamabad) 42,43:4,1 (2005)

فکرونظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۲، ۴۳   شمارہ: ۴، ۱

فکر فراہی اور خدمتِ حدیث

محمد خالد مسعود ☆

علامہ حمیدالدین فراہیؒ کی معروف حیثیت قرآن حکیم کے ایک منفرد طریقہ تفسیر کے بانی کی ہے۔ انہوں نے زندگی بھر کلام الٰہی کو اپنے فکر کا مرکز و محور بنائے رکھا اور اس پر راست طریقہ سے غور و تدبر کے اصول وضع کیے جن میں اصل اہمیت لغت کے تتبع، نظائر قرآنی کی تلاش، آیات کے سیاق و سباق اور سورتوں کے نظم کو دی گئی۔ اس کے بعد انہوں نے انہی اصولوں کی بنیاد پر کچھ سورتوں کی تفسیر لکھ کر دکھایا کہ اس طریقہ سے قرآن کی کثرت تاویلات پر قابو پا کر اس واحد تاویل تک پہنچا جا سکتا ہے جو قرآن کے حقیقی مدعا سے قریب تر ہوتی ہے۔ فراہیؒ کے نزدیک قرآن کے صحیح فہم کی کلید نظم قرآن میں پوشیدہ ہے۔ وہ ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون متعین کر کے اس کے تحت آیتوں کا باہمی ربط و اتصال اس طرح واضح کرتے ہیں کہ ایک آیت کو بھی بیچ سے نکال دیا جائے تو پوری سورہ کا نظم درہم برہم ہو جاتا ہے۔ فکر فراہی کے شارح اور حمیدالدین فراہیؒ کے شاگرد رشید امین احسن اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں نظم قرآن کا نہایت دلآویز مرقع علمی دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس میں واحد تاویل تک پہنچنے کی بھرپور کاوش کی ہے۔ یہ تفسیر فکر فراہی کی نمائندہ کامل تفسیر کہی جاتی ہے۔(۱)

فراہی رحمہ اللہ کے علمی اصلاح کے پروگرام کا دوسرا جزو دینی علوم کی ان غیر اسلامی عناصر سے تطہیر پر مشتمل تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ ان میں نفوذ کر گئے تھے۔ اس عظیم کام کے خدوخال ان کی تصانیف جمہرۃ البلاغہ، القائد الی عیون العقائد، فی ملکوت اللہ اور مفردات القرآن کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔ جمہرۃ البلاغۃ میں انہوں نے فصاحت و بلاغت کے فن پر لکھی گئی کتابوں میں پیش کردہ اصولوں پر تنقید کی اور ان کو ناتمام قرار دے کر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے جانچنے کے لیے غیر موزوں قرار دیا اور اس مقصد کے لیے نئے اصول وضع کیے جن کو اہل علم نے سراہا۔(۲) کتاب القائد الی عیون العقائد اور فی ملکوت اللہ میں انہوں نے علم کلام کو قرآن کی بنیاد پر منضبط کیا اور قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں سنت اللہ اور قوانین فطرت کی وضاحت کی۔

☆ نامور محقق، سابق مدیر، رسالہ ''تدبر''، لاہور (متوفی یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء)

DMHL

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.   http://iri.iiu.edu.pk/

فی ملکوت اللہ میں انہوں نے دنیا میں رائج جدید نظاموں کا جائزہ بھی لیا اور ان پر قرآنی اصول کی روشنی میں تبصرہ کیا۔ مفردات القرآن میں فراہیؒ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعض الفاظ اور تراکیب جس خاص مفہوم کے حامل تھے ان کی طرف لغات مرتب کرنے والوں نے خاطر خواہ توجہ نہ دی۔ ان الفاظ کے ناتمام معانی نے قرآن فہمی میں بڑی مشکلات پیدا کیں۔ فراہیؒ نے ان الفاظ اور تراکیب کے بارے میں اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ ان کی یہ تمام کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

(ا) فراہی رحمہ اللہ کا حدیث و سنت کے بارے میں نقطہ نظر

علم حدیث پر فراہیؒ نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی البتہ ان کا نقطہ نظر دوسری تصانیف کی مدد سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس حوالہ سے مقدمہ نظام القرآن، تفسیر نظام القرآن اور اصول فقہ پر لکھی گئی کتابوں--الرائع فی اصول الشرائع اور احکام الاصول باحکام الرسول علیہ السلام--میں بعض ضروری مباحث آ گئے ہیں۔ ان میں سے آخری دو کتابیں مخطوطہ کی شکل میں ہیں۔

سنت:

فراہی رحمہ اللہ تمام علوم میں غیر معمولی تحقیق و تنقید کے عادی تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ قرآن کی تفسیر میں احادیث کے اخذ و قبول کے لیے بھی معتدل نقطہ نظر اپنانے کی ضرورت ہے۔ اصحاب علم کا ایک گروہ عقیدت کے جوش میں حدیث کے درجہ کو بڑھا کر قرآن کے برابر کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اسے ناسخ قرآن بھی مانتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو سرے سے حدیث کی اہمیت ہی کے منکر ہیں۔ فراہیؒ کو یہ احساس بھی ہوا کہ عملاً حدیث اور سنت کو ایک ہی چیز سمجھ لیا گیا ہے، نیز خبر متواتر اور خبر واحد کے حکم کے فرق کو عملاً مٹا دیا گیا ہے۔ اصولاً تو یہ مانا جاتا ہے کہ اخبار آحاد ظنی ہیں لیکن عقائد اور شرعی احکام کی شرح و تعبیر میں ان سے سند لائی جاتی ہے۔ ان احساسات کے تحت فراہیؒ نے سنت اور حدیث کا فرق واضح کیا اور دونوں کا دین میں الگ الگ مقام متعین کیا۔ فراہیؒ رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو شریعت کی تعلیم کے لیے مبعوث فرمایا تو حکمت اور اسرار شریعت کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل کر دی تاکہ امت اجتہاد کے قابل ہو سکے، اپنی عقلوں کو استعمال کرنا سیکھے اور ظاہری و باطنی دلائل سے استدلال کر سکے۔ پس رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے کتاب اللہ کی تبیین کرتے تھے تاکہ ہم پر (قرآن کے اشارات میں) تفکر و تدبر کا منہاج واضح ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تدبر کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ رسول

کریمؐ کی اقتدا کا بھی حکم دیا اور آپ کی یہ حیثیت خاص طور پر واضح فرمائی کہ آپ شریعت اور حکمت کی تعلیم دینے والے ہیں۔''(۳)

مقدمہ نظام القرآن میں لکھتے ہیں:۔

''نبی کی روح بیدار خود بھی معروف و منکر کی شناخت کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ جن چیزوں کے بارہ میں وحی کی رہنمائی موجود نہیں ہوتی ان میں نبی اپنے الہام سے امت کو کوئی حکم اس وقت تک کے لیے دے دیتا ہے جب تک وحی نہ آئے۔ اور یہ کام اس کے منصب ا ایک قدرتی جزو ہوتا ہے۔''(۴)

فراہیؒ کے نزدیک نبیﷺ کی اس روح بیدار کا سرچشمہ وہ خاص نور و حکمت تھا جو آپ کو عطا ہوا اور جس کا حوالہ سورہ شوریٰ میں ہے۔ وہاں ارشاد ہوا:

وَ كَذٰلِكَ اَوحَينَا اِلَيكَ رُوحًا مِّن اَمرِنَا مَا كُنتَ تَدرِى مَاالْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلنٰهُ نُورًا نَّهدِى بِهٖ مَن نَشَاءُ مِن عِبَادِنَا وَ اِنَّكَ لَتَهدِى اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيم. (الشوریٰ. ۴۲:۵۲)

(اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم کی روح وحی کی۔ تم نہیں جانتے تھے شریعت کیا ہے اور نہ ہی ایمان کو جانتے تھے لیکن ہم نے اسے نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں، اور تم صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہو)

اسی کو وہ سنت رسول کی مستقل بنیاد مانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن مجید کی جہت مکنون کی طرف بھی رہنمائی فرمائی تھی۔ اس نے اس روح سے نبی کے قلب کو زندگی بخشی اور اس نور کی ہدایت دے کر آپ کو وہ علم بخشا جو آپ کو پہلے حاصل نہ تھا۔ حضور کے احکام کی ایک قسم حقیقت میں قرآن سے ماخوذ ہے البتہ اس کا طریقہ استنباط مکنون ہے۔ اس لیے ان احکام میں سنت کو مستقل بنیاد سمجھا جائے گا۔''(۵)

فراہیؒ کا ایک اہم نکتہ جو سنت کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کو مزید واضح کرتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا جو ذمہ لے رکھا ہے اس میں وہ تمام اصطلاحات شرعیہ، جن کا ذکر قرآن میں ہے مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، طواف صفاو مروہ، مسجد حرام وغیرہ، شامل ہیں۔ ان

سب اصطلاحات کا مفہوم نبی ﷺ کی سنت سے واضح ہوا ہے اور یہ سنت تواتر و توارث کے ساتھ سلف سے خلف کو منتقل ہوئی ہے۔ لہٰذا ان عبادات و اصطلاحات کے مفاہیم اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح حضورؐ نے ان کی تعلیم دی تھی۔ امت کے تعامل میں ان کے بارے میں بعض جزوی اختلافات نظر آتے ہیں تو یہ بالکل ناقابل لحاظ ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

''سلف اور ائمہ نے اپنے مذہب کی صحت کی بدولت کتاب اور سنت دونوں کو مضبوطی سے پکڑا۔ یہ نہیں کیا کہ باطل پسندوں اور ملحدوں کی طرح ان میں تفریق کر کے ایک جز کو ترک کر دیتے۔''(۶)

دوسرے الفاظ میں وہ یہ حقیقت برملا بیان کرتے ہیں کہ امت مسلمہ جس طریقہ سے آج نماز ادا کر رہی یا حج کر رہی ہے یہ ٹھیک وہی طریقہ ہے جس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دی تھی۔ گویا سنت تعامل امت سے منتقل ہوئی ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ رسول اللہؐ کے عمل اور تعلیم کے مطابق ہے۔ لہٰذا فراہیؒ سنت کے منکرین کو باطل پر سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دین کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ کتاب اور سنت دونوں کو لازم پکڑا جائے۔

احکام رسول کی بنیاد قرآن میں:

مولانا فراہیؒ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی بنیاد قرآن مجید کی آیات کے اشارات میں تلاش کرتے تھے۔ وہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے مجھے کتاب و سنت کے فہم کا ایک لطیف طریقہ سمجھایا اور ان دونوں کے درمیان توفیق پیدا کرنے کا عظیم دروازہ کھول دیا جس کے نتیجہ میں حضورؐ کا کوئی حکم ایسا نہیں رہا ہے جس میں لوگ نسخ کے قائل ہوئے ہوں اور قرآن کے ساتھ اس کی موافقت نہ دکھائی جاسکے۔ انہوں نے اپنے اس فہم کی چند مثالیں پیش کی ہیں اور حدیث میں وارد قیامت میں مومنین کے لیے رؤیت باری تعالیٰ کی خبر، حدیث لا وصیۃ لوارث، مقدار وصیت، باپ کے مقابل میں ماں کے سہ گونہ حقوق، نکاح میں پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو جمع کرنے کی ممانعت اور حد زنا کے امور کو قرآن کے اشارات سے ثابت کیا ہے۔(۷)

قرآن کی نسبت سے رسول اللہؐ کے احکام کو وہ تین قسموں میں شمار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''پہلی قسم ان احکام کی ہے جن کے بارہ میں حضور نے صراحت فرمائی ہے کہ وہ کتاب اللہ سے مستنبط ہیں حالانکہ ظاہر کتاب کی نص میں وہ حکم موجود نہیں۔ گویا وہ حکم مستنبط ٹھہرے اور حضورؐ کے فرض تبیین کے مطابق ہیں۔ ان احکام میں اصل و فرع پر غور کر

کے ان کے استنباط کا پہلو معلوم کرنا دشوار نہیں ہوتا۔

دوسری قسم ان احکام کی ہے جن کے متعلق حضورؐ نے خود کوئی صراحت نہیں فرمائی مگر قرآن سے ان کے استنباط کا پہلو کلام کی دلالتوں کے ایک عارف پر ظاہر ہے۔ پس ایک تو یہ حکم قرآن سے ماخوذ ہونے کی بنا پر صحت سے قریب تر ہوتا ہے...... دوسرے رسول اللہؐ تمام انسانوں سے زیادہ کتاب اللہ کو سمجھنے والے تھے۔ آپ کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ جس معاملہ کے بعض پہلوؤں کا اشارہ کتاب اللہ میں موجود ہو اس کا فیصلہ کتاب کی روشنی کے بغیر کریں۔ تیسرے عرب قوم کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ کلام کے اشارات و کنایات کو خوب سمجھنے والے تھے اور حضورؐ کو چونکہ نور و ہدایت اور بصیرت خدا کی طرف سے حاصل تھی اس لیے آپ اس معاملہ میں سب سے زیادہ ذکی تھے۔

تیسری قسم ان احکام کی ہے جن کے متعلق قرآن کی کوئی نص وارد نہیں، البتہ وہ اس اضافہ کا متحمل ہے۔ ایسے احکام میں ہم سنت کو مستقل اصل قرار دیں گے کیونکہ ہمیں اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے اور رسول کا حکم یکساں طور پر پُر از حکمت ہوتا ہے خواہ وہ کتاب اللہ کی بنیاد پر ہو یا اس نور و حکمت کے مطابق ہو جس سے خدا نے آپ کا سینہ بھر دیا تھا......''

احکام کی قسم ثانی کے بعض وجوہ استنباط، مولانا فراہی کے نزدیک، علماء پر مخفی رہ گئے لیکن غور و فکر کر کے آدمی ان تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر یہ وجوہ واضح ہو جائیں ''تو اصول یہ ہو گا کہ ہم کتاب اللہ کو اصل اور سنت کو فرع قرار دیں گے۔ صحابہ کا اس پر اتفاق تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن پر غور کرتے اور جب اس میں رہنمائی نہ پاتے تو سنت کی طرف رجوع کرتے، اور یہی بات عقلی بھی ہے''۔(۸)

روایت حدیث:

جہاں تک روایات حدیث کے بارے میں مولانا فراہیؒ کے نقطۂ نظر کا تعلق ہے، ان کے نزدیک اصل و اساس کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔ حدیث اس کی ایک فرع ہے۔ ان دونوں میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ قطعی ثابت ہے اور فروع میں وہم و ظن کے لیے گنجائش ہوتی ہے۔ وہ ان لوگوں کی روش پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں جو ایسی روایتیں تک قبول کر لیتے ہیں جو نصوص قرآن کی تکذیب کرتی ہیں۔ وہ قرآن مجید سے متناقض یا اس

کے منافی اور اصل کو ڈھانے یا جھٹلانے والی روایتوں کے، محض اس بنا پر کہ وہ بخاری یا مسلم میں نقل ہو گئی ہیں، قرآن کی طرح محفوظ ہونے کے تصور کو غلو پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس طرح کے غلو کا نتیجہ بعض فقہاء و متکلمین کا یہ خیال بھی ہے کہ حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

> ''یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ خبر اگرچہ متواتر ہو قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ اس کی یا تو تاویل کریں گے یا اس میں توقف کریں گے لیکن اس کی خاطر قرآن کو منسوخ نہیں کریں گے۔ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور عام اہل حدیث، حدیث کو قرآن کے لیے ناسخ نہیں مانتے اگرچہ حدیث متواتر ہو۔ پس جب یہ ائمہ حدیث جو حدیث کے معاملہ میں صاحب البیت کی حیثیت رکھتے ہیں، اس بات کے قائل نہیں ہوئے تو اس بارہ میں ہم فقہاء و متکلمین کی رائے کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس فتنہ سے امان میں رکھے کہ ہم اس بات کے قائل ہوں کہ رسول، اللہ کے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے۔''(۹)

حدیث کو اصل نہ ماننے کی وجہ فراہیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ احادیث میں صحیح و سقیم کی تمیز ایک مشکل کام ہے اور دین کی بنیاد کسی غلط روایت پر رکھنا بے حد خطرناک ہے۔ ان کے نزدیک دین کے ہر معاملہ کی بنیاد قرآن کی نصوص ہی پر قائم کرنی چاہیے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

> ''قرآن کو سمجھے بغیر اگر آپ حدیث کی طرف دیوانہ وار رجوع کریں جب کہ اس میں صحیح و سقیم دونوں طرح کی روایات ملی ہوئی ہوں تو دل میں کوئی ایسی رائے بیٹھ جاتی ہے جس کی قرآن میں کوئی اصل نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی وہ قرآن کی ہدایت کے مخالف بھی ہوتی ہے۔ اس کی بنا پر آپ تاویل قرآن میں کسی سقیم حدیث پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ اس طرح حق باطل کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتا ہے۔''(۱۰)

اسرائیلیات:

اہل کتاب کی جو روایات حدیث کی کتابوں میں آ گئی ہیں ان کے بارے میں مولانا فراہیؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کے راوی بنی اسرائیل اور ان کے انبیاء کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے ان میں بیشتر بے اصل افسانے ہیں جو اہل کتاب کی معتبر کتابوں سے ثابت نہیں ہوتے۔

اخبار احاد:

مولانا فراہیؒ سنت رسول اور تعامل صحابہ کی پیروی پر زیادہ زور دیتے اور خبر واحد کی بنا پر غلو،

افراط و تفریط اور فرقہ آرائی کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

> ''پس جب ایسے اصطلاحی الفاظ کا معاملہ پیش آئے جن کی پوری تعریف اور تصویر قرآن میں بیان نہ ہوئی ہو تو ان کے بارہ میں خواہ مخواہ اخبار احاد پر نہیں جم جانا چاہیے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خود بھی شک میں پڑو گے اور دوسروں کے اعمال کو بھی غلط ٹھہراؤ گے اور ان سے جھگڑو گے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں ہو گی جو اس جھگڑے کا فیصلہ کر سکے۔ ایسی صورتوں میں صحیح راہ عمل یہ ہے کہ جتنے حصہ پر تمام امت متفق ہے اتنے پر قناعت کرو اور ان چیزوں کے بارہ میں، جن میں کوئی نص صریح اور متفق علیہ عمل نبی ﷺ موجود نہیں ہے، اپنے دوسرے بھائیوں سے جھگڑا نہ کرو۔''(۱۱)

مولانا فراہی خبر واحد پر انحصار کو اس لیے صحیح نہیں سمجھتے کہ اس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال موجود ہوتا ہے۔ نیز یہ نہیں معلوم ہوتا کہ راوی نے بات کو ٹھیک سمجھا یا نہیں یا وہ مفہوم کو درست طور پر ادا کر پایا یا نہیں۔ اس کے برعکس تعامل صحابہ و تابعین پر اعتماد، جو امام مالکؒ کا طریقہ ہے یا اجتہاد کی راہ اختیار کرنا جو امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، مولانا کے نزدیک زیادہ قرین صواب تھا۔

تحقیق حدیث:

روایات کو رد یا قبول کرنے میں فراہی رحمہ اللہ نے جو اصول پیش نظر رکھے وہ حسب ذیل تھے:۔

۱۔ اصل و اساس کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے۔

۲۔ سنت ثابتہ منصب رسالت کا ایک قدرتی جزو اور شریعت کی ایک مستقل بنیاد ہے۔قرآن اور سنت میں تفریق کرنا ایک ملحدانہ روش ہے۔

۳۔ حدیث کی حیثیت ایک فرع کی ہے جس کا باعث اس کی روایت میں ظن کا دخل ہے۔

۴۔ ان روایات کو قبول کرنا جائز نہیں جو اصل کے خلاف اور نصوص قرآنی کی تکذیب کرتی ہوں۔

۵۔ قرآن کی تصدیق و تائید کرنے والی تمام روایات قابل قبول ہیں۔

۶۔ قرآن اور حدیث کے درمیان اختلاف کی صورت میں حکم قرآن ہو گا۔

۷۔ خبر اگرچہ متواتر ہو قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی ۔ظن کی بنیاد پر نسخ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اصل کرنے کا کام قرآن کے ساتھ سنت کی تطبیق ہے۔

مولانا فراہیؒ تحقیق روایت میں سند کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ یہ پہلو لازماً دیکھتے کہ وہ قرآن کے

اشارات کے موافق ہے یا مخالف۔ وہ راوی کے متعلق یہ تحقیق کرتے کہ وہ خود شریک واقعہ تھا یا محض شنید پر مبنی معلومات دے رہا ہے۔ وہ یہ دیکھتے کہ روایت عرب کے معروفات کے خلاف تو نہیں اور اس سے قرآن کے کسی اصول پر زد تو نہیں پڑتی۔ روایات میں تضاد کی صورت میں وہ بعض روایات پر بعض کو ترجیح دیتے۔ اگر کسی روایت کو قرآن کے نصوص کے متناقض سمجھتے تو اس کو بکثرت دلائل دے کر مسترد کرتے ورنہ اس کے بارے میں توقف کرتے۔ اگر قرآن اور روایت میں مطابقت کی کوئی صورت نہ نکل سکتی تو اس وقت قرآن کو ترجیح دیتے کیونکہ وہ قطعی اور ثابت ہے۔ اس کی دلیل فراہیؒ نے یوں دی ہے:۔

> ''جب دو حدیثوں میں تعارض واقع ہوتا ہے تو جو صحیح و ثابت ہوتی ہے اس کو محدثین قبول کرتے ہیں تو جب قرآن اور حدیث میں تعارض واقع ہوتا ہے تو اس اصول پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ اسی طرح جب دو متعارض حدیثیں سند کے لحاظ سے مساوی ہوتی ہیں تو ان میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن کا یہ حال ہے کہ وہ باعتبار سند زیادہ مضبوط اور قابل اعتماد ہے۔ لہٰذا اس کے سوا چارا نہیں کہ احادیث کی تاویل قرآن کی روشنی میں کی جائے''۔ (۱۲)

مولانا فراہیؒ کے حدیث اور سنت کے بارے میں نقطہ نظر کا یہ جائزہ یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان کی فکر افراط و تفریط سے پاک ہے۔ وہ نہ تو اہل الرائے کی طرح احادیث سے بے اعتنائی برتنے کے قائل ہیں اور نہ اہل روایت کی طرح ہر روایت کا درجہ قرآن کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ وہ ایک بے لاگ محقق تھے۔ انہوں نے گہرے غور و فکر کے بعد دین میں حدیث کی صحیح حیثیت کو متعین کرنے کی کوشش کی اور سنت کو حدیث سے الگ کر کے وہ اعلیٰ و ارفع مقام دیا جس کی وہ فی الواقع مستحق تھی۔ بعض علمائے حدیث نے ان کی آراء کو اپنے نقطہ نظر سے بیگانہ پایا تو ان کی تحقیق کو انکار حدیث سے قریب قرار دیا۔ ہر انصاف پسند شخص اوپر کے مباحث کی مدد سے خود رائے قائم کر سکتا ہے کہ فکر فراہی میں کتنا انکار حدیث پایا جاتا ہے۔

(ب) امین احسن اصلاحیؒ کا نقطۂ نظر

فکر فراہی کے معروف شارح مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے مدرسہ کی تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے دیار کے بہت بڑے شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ شارح جامع ترمذی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا اور شیخ سے اصول حدیث اور جامع ترمذی سبقاً سبقاً پڑھے۔ انہوں نے فراہی رحمہ

اللہ کی فکر کو آگے بڑھایا، ان کے خیالات کو مفصل و مدلل کر کے پیش کیا اور اس میں اضافے کیے۔ اصول حدیث کی بحثیں انہوں نے اپنی کتاب و مبادی تدبر حدیث، میں اٹھائی ہیں۔[۱۳]

حدیث اور سنت:

مولانا اصلاحیؒ نے حدیث اور سنت میں فرق کو مزید واضح کیا۔ ان کے نزدیک حدیث تو نبی ﷺ کے کسی قول یا فعل یا آپ کی تصویب کی روایت کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ ثابت شدہ ہو یا اس کا ثابت شدہ ہونا محل نزاع ہو۔ اس کے برعکس سنت وہ طریقہ ہے جو نبی ﷺ نے بحیثیت معلم شریعت اور بحیثیت کامل نمونہ ، احکام و مناسک کے ادا کرنے اور زندگی کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے سانچہ میں ڈھالنے کے لیے قولاً اور عملاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا۔ قرآن میں صرف اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں، جبکہ دین کا پورا اور مکمل ڈھانچہ سنت رسول سے کھڑا ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن اور سنت میں تعلق روح اور قالب کا ہے۔ ان دونوں کی ترکیب سے ہی دین کا پورا نظام کھڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی طرح سنت کی تعلیم رسول اللہؐ کی منصبی حیثیت کا تقاضا تھا۔

مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک سنت کا تعلق عملی زندگی سے ہے۔ وہ چیزیں اس کے دائرہ میں نہیں آتیں جو محض عقائدی اور علمی نوعیت کی ہیں۔ اس کی بنیاد احادیث پر نہیں بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے جس سے مراد نبی ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ کا وہ عمل ہے جو امت میں رائج ہوا۔

دور حاضر میں منکرین حدیث نے اصطلاحات شرعیہ کا مفہوم لغات کی مدد سے متعین کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کے بارے میں مولانا اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

> ''منکرین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ اور عمرہ و قربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور امت کے تواتر نے اس کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے اس میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق ترمیم و تغیر کرنا چاہتے ہیں، یہ صریحاً خود قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے، اس لیے کہ جس تواتر نے ہم تک قرآن کو منتقل کیا ہے، اسی تواتر نے ان اصطلاحات کی عملی صورت کو بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر وہ ان کو نہیں مانتے تو پھر خود قرآن کو ماننے کے لیے بھی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔ اصطلاحات کے معاملہ میں تنہا لغت پر اعتماد بھی بالکل غلط چیز ہے۔ صوم و صلوٰۃ کا لغت میں جو مفہوم بھی ہو لیکن دین میں وہی مفہوم معتبر ہو گا جو شارع علیہ السلام نے واضح فرمایا''۔[۱۴]

حدیث اور سنت کے درمیان فرق نہ کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ منکرین حدیث نے حدیث کے خلاف جو شبہات ایجاد کیے وہ انھوں نے سنت پر بھی پھیلا دیے حالانکہ سنت امت مسلمہ کے عملی تواتر سے ثابت ہے اور اس کا انکار خود قرآن کے انکار کے ہم معنی ہے۔ جب یہ مسئلہ مناظرہ کا موضوع بن گیا تو منکرین حدیث نے حدیث کے ساتھ سنت کو شامل کرکے اپنی بات کفر تک پہنچا دی اور حامیان حدیث نے حدیث اور سنت کو ایک ہی چیز قرار دے کر سنت کو بھی ہدف پر لا کھڑا کیا۔

سند حدیث:

محدثین کے ہاں روایت کی صحت کو جانچنے کے لیے محض سند کی تحقیق کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ مولانا اصلاحیؒ اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ ہمارے ائمہ فن نے تحقیق کی معراج کی بلندیوں کو چھو کر فن اسماء الرجال کی نیو ڈالی، روایت کی جانچ کے معاملہ میں سند کو صرف ایک کسوٹی قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک راوی کے کردار و اخلاق کے معاملہ میں قابل اطمینان رائے اسی صورت میں قائم کی جا سکتی ہے جب معاملات میں اس کے ساتھ کوئی واسطہ پڑا ہو۔ اس کے بغیر رائے قائم کرنے میں آدمی دھوکا کھا سکتا ہے۔ دوسرے، جرح و تعدیل کا کام علم، فقاہت، بصیرت، تجربہ اور معقولیت کا متقاضی ہے جب کہ راویوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے والے انسان ہی رہے ہیں، فرشتے نہیں رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی آراء عام انسانی جبلت میں موجود تعصب کے شائبہ سے پاک نہیں ہو سکتیں۔ تیسرے، ائمہ حدیث نے اہل بدعت خصوصاً شیعہ، روافض اور باطنیوں سے روایات لینے میں بڑی مسامحت برتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ان کی بدعات اور ان کے مسلک سے متعلق بہت ہی غلط روایات ہماری کتابوں میں گھس آئی ہیں۔ چوتھے، یہی حال ترغیب و ترہیب اور فضائل کی روایات کا ہے۔ ان روایات کے ضمن میں محدثین نے سند کی صحت کے اہتمام کو بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ تاہم مولانا کے نزدیک اس وقت قابل عمل طریقہ یہ ہے کہ ماضی میں سند پر جو تحقیق ہو چکی ہے فی الجملہ اسی پر اکتفا کیا جائے لیکن دوسرے ذرائع سے روایات کو پرکھا جائے۔

اخبار آحاد:

مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک ذخیرہ حدیث بڑی حد تک روایت بالمعنی پر مبنی ہے۔ تمام تر احتیاط کے باوجود راوی حضرات مفہوم کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتے۔ کہیں کہیں وہ اپنی طرف سے وضاحت اور شرح کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بالمعنی روایت میں غلطی کے احتمالات ہیں۔ اسی طرح بیشتر یہ ذخیرہ اخبار آحاد پر مشتمل ہے۔ عام دنیوی معاملات میں زندگی بسر کرنے کے لیے

یہ کافی ہوتا ہے کہ ظن غالب پر اعتماد کیاجائے اور اخبار آحاد اس کا فائدہ دیتی ہیں لیکن جب معاملہ دین کا ہو تو خود قرآن نے خبر واحد کے رد و قبول میں خبر دینے والے کی شخصیت، روایت کی نوعیت، قرائن اور خصوصیات ہی پر اعتماد کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اخبار آحاد پر بالعموم اعتماد کیا جائے گا لیکن ان صورتوں میں کہ جب ان کا تصادم کسی ایسی چیز سے ہو گا جس کی حیثیت دین میں بنیادی اور اصولی ہو، ان کی تحقیق کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے جائیں گے۔ اس کے بعد ان کے رد یاقبول کا فیصلہ کیا جائے گا۔ گویا اخبار آحاد کے مفید یقین ہونے کے بارے میں مولانا اصلاحیؒ اصولیین اور محدثین سے قدرے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ متکلمین اور اصولیین تو اس امر پر متفق ہیں کہ خبر واحد مفیدیقین نہیں۔ اس لیے اس سے عقیدہ کا اثبات نہیں ہوتا۔(۱۵) امام غزالی تک یہ فرماتے ہیں کہ **خبر الواحد لا یغیرالعلم**.(۱۶) اور محدثین خبر واحد کے مفیدعلم ہونے کے قائل ہیں اور ان میں سے بعض اس کے مفید علم ہونے کے لیے قرائن کی موجودگی کو ضروری سمجھتے ہیں، لیکن مولانا اصلاحیؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دیکھنے کی چیز خبر واحد کا متن اور مضمون ہے۔ خبر واحد بالعموم مفید علم سمجھی جائے گی لیکن اگر دین کا کوئی بنیادی اور اصولی مسئلہ ہو یااس سے کسی عقیدہ کا اثبات ہوتا ہو تو پھر اس کی تحقیق ضروری ہو گی اور یہ خود قرآن کی تعلیم ہے کہ اہم مسائل میں خبر اور خبر لانے والوں کی بابت تحقیق کی جائے۔

تدبر حدیث کی ضرورت اور اس کے اصول:

مولانا اصلاحیؒ حدیث کے ایک طالب علم کے لیے موطا امام مالکؒ ، صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ کے مطالعہ کو لازم قرار دیتے ہیں۔ ان کے ذخیرہ حدیث پر عبور حاصل ہونے سے دین کا بڑا حصہ گرفت میں آ جاتا ہے۔ چنانچہ ساٹھ کی دہائی میں مولانا اصلاحیؒ نے حلقہ تدبر قرآن قائم کیا تو اس کے شرکاء کوصحیح مسلم پڑھائی۔ پھر جب تفسیر تدبر قرآن لکھنے سے فارغ ہوئے تو ادارہ تدبر قرآن و حدیث قائم کیا اور اس کے شرکاء کوصحیح بخاری اور موطا امام مالک کا درس دیا۔

مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک ذخیرہ حدیث سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے ایک ایک روایت پر تدبر ضروری ہے۔فہم حدیث کی راہ میں الجھنوں سے بچنے کے لیے مولانا چند اصول تجویز کرتے ہیں:

۱۔ جس طرح قرآن مجید ہماری زندگی کے ہر گوشہ میں حق و باطل میں امتیاز کے لیے کسوٹی ہے۔ اسی طرح حدیث کے معاملہ میں بھی اصلاً وہی امتیاز کی کسوٹی ہے۔ یہ بات عقلاً اور شرعاً محال ہے کہ رسول اللہؐ کی کوئی بات اللہ تعالیٰ کی بات کے خلاف ہو۔ لہٰذا جو حدیث قرآن کے خلاف ہو گی وہ

منکر ہے۔ قرآن کی کسوٹی پر پرکھے بغیر قبول کی ہوئی روایت میں یہ امکان موجود ہوتا ہے کہ آدمی اس چیز کو دین بنا لے جو دین نہیں ہے۔

۲۔ قرآن مجید کی طرح احادیث کا بھی اپنا ایک مجموعی نظام ہے جس سے ہٹ کر نہ تو کسی حدیث کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اس کی تاویل و توجیہ ٹھیک طور پر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہر حدیث احادیث کے مجموعی نظام کا ایک جزو سمجھی جائے گی۔ جزو کے لیے اپنے مجموعی نظام سے پوری طرح ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی روایت اپنے مجموعی نظام سے بے جوڑ ہو گی تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔ صوفیاء کے ہاں رائج روایات میں ایسی بے جوڑ روایتیں بہت ہیں جو نہ قرآن کے اصولوں سے مطابقت رکھتی ہیں نہ حدیث کے معروفات سے۔

۳۔ صحیح روایت کا عمل معروف کے مطابق ہونا ضروری ہے ۔عمل معروف قرآن اور سنت رسولؐ میں محفوظ ہے۔ اس کے اصول ، کلیات، ارشادات اور احکام کے منافی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ اسرائیلیات اس کسوٹی کی زد میں آتی ہیں۔ ایسی روایات ہی کو مستشرقین نے دین اسلام اور اکابر دین پر حملوں کا ذریعہ بنایا ہے۔

۴۔ صحیح احادیث کی زبان کا ایک خاص معیار ہے جو بہت اعلیٰ ہے۔ ہر باب میں ان احادیث کو مقدم رکھنا ہوگا جو زبان کے اعتبار سے عہد نبوت اور عہد صحابہ کی زبان سے ہم آہنگ ہوں۔ جو لوگ کلام رسول کا ذوق اور اس کی شناخت کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ کلام کو سن کر اور اپنے دل و دماغ پر اس کے اثر ہی سے اس کو پہچان لیتے ہیں۔

۵۔ حدیث کے فہم میں کلام کے عموم و خصوص، اس کے موقع ومحل اور اس کے خطاب کو سمجھنا ضروری ہے۔ حدیث میں کہیں الفاظ عام ہیں لیکن ان سے مراد خاص ہے۔ اسی طرح کہیں کلام بظاہر خاص ہے لیکن اس کا اطلاق عام پر ہوتا ہے۔ علی ہذاالقیاس بعض ارشادات کسی خاص موقع اور پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر اس پس منظر کو نہ سمجھا جائے تو حدیث پر کئی اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ اپنے اصل محل میں اس کا مفہوم بالکل صحیح ہوتا ہے۔ اس کی مثال میں مولانا اصلاحی نے حدیث الائمۃ میں قریش اور امرت ان اقاتل الناس ...... الخ کو پیش کیا ہے۔

۶۔ جس طرح قرآن کی تمام دعوت عقل و فطرت پر مبنی ہے اور وہ اپنے دعاوی کے اثبات کے لیے عقل و فطرت کو شہادت میں پیش کرتا ہے اسی طرح حدیث کے دل میں اترنے کا اصلی راستہ بھی عقل و فطرت ہی ہے۔ اس وجہ سے حدیث میں کوئی بات عقل کے صریح خلاف نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں

اگر کوئی بات عقل کے منافی نظر آئے تو اس پر غور کیا جائے گا یہاں تک کہ اپنی غلطی واضح ہو جائے یاروایت کا ضعف سمجھ میں آ جائے۔

۷۔ راوی حضرات اپنے اپنے ذوق کے مطابق واقعہ کے کسی حصہ کو روایت کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں اس کے بعض لازمی اور ضروری حصے چھوٹ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر خطبہ حجۃ الوداع میں اسلام کا نہایت جامع تصور دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ خطبہ کسی روایت میں یکجا بیان نہیں ہوا۔ دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی راوی کی مختلف اوقات کی روایتوں میں تکمیل، تقلیل، اطناب اور ایجاز ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا کسی ناتمام روایت کی تاویل اس قسم کی دوسری روایات کے ساتھ ملا کر کرنی ہو گی۔ اس طرح جو مضمون متعین ہو گا وہ اصل ہو گا۔

دروس حدیث:

مولانا اصلاحیؒ نے محض تدبر حدیث کے مذکورہ اصول دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا؟ بلکہ ان کو برت کر دکھلایا۔ انہوں نے جب صحیح مسلم، موطا امام مالک اور صحیح بخاری کے درس دیے تو ان میں اپنے پیش کردہ اصولوں کا اطلاق کیا۔ ان کے دروس پر مشتمل دو کتابیں شرح موطا جلد اول اور شرح صحیح بخاری جلد اول شائع ہو چکی ہیں۔[۱۷] شرح موطا میں کتاب الزکوٰۃ ، کتاب البیوع، کتاب القراض، کتاب المساقاۃ، کتاب الاقضیہ، کتاب الحدود، کتاب العقول، کتاب الجامع وغیرہ شامل ہیں جب کہ شرح بخاری میں کتاب بدء الوحی، کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الوضوء، کتاب البیوع تا کتاب الاجارات زیر بحث آئی ہیں۔ دونوں کتابوں کی جلد ثانی ترتیب و تدوین کے مراحل میں ہے۔ مرتب حصے رسالہ تدبر لاہور میں شائع ہو رہے ہیں۔ جونہی یہ کتابیں مکمل ہوگئیں ان کو کتابی شکل میں اہل علم کے استفادہ کے لیے پیش کر دیا جائے گا۔ موطا کی جلد دوم میں وضو، نماز، روزہ اور حج، نیز باقی ماندہ ابواب شامل ہوں گے، جبکہ شرح بخاری کی جلد دوم کتاب الوکالہ سے لے کر کتاب الشہادات تک پر مشتمل ہو گی۔ ان شاء اللہ

ان شرحوں میں مولانا مشکل اور وضاحت طلب الفاظ اور جملوں کی وضاحت کرتے اور متن حدیث کا بھرپور مطالعہ کرکے اپنے نتائج فکر کو سامنے لاتے ہیں۔ وہ متن حدیث کے ایک ایک لفظ اور جملے پر غور کرتے اور اس کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور یہ متعین کرنا چاہتے ہیں کہ واقعتاً روایت کا کتنا حصہ صحیح ہے اور کس حصہ کی روایت میں کوئی خامی رہ گئی ہے۔ وہ احادیث کو دوسری ہم معنی روایات کی روشنی میں سمجھتے اور کہیں کہیں صحیح مسلم کی روایات کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

جہاں متن حدیث قرآن کے اصول سے ٹکراتا ہے وہاں حدیث کی روایت کی حمایت سے دستبردار ہو جاتے ہیں اور معاملہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود رائے قائم کرے کہ وہ قرآن کے مقابلہ میں روایت کو کیا مقام دینا چاہتا ہے۔ وہ خود برملا یہ اعتراف کر لیتے ہیں کہ یہ روایت میری سمجھ میں نہیں آئی۔

مولانا کی یہ شرحیں احادیث کا اطلاق آج کے ماحول اور مسائل پر کرتی ہیں۔ مولانا اصلاحی جدید مسائل کا مواجہہ کرتے اور ان کے حل کی تجاویز احادیث کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح موطا کی شرح میں وہ امام مالکؒ کے فتاویٰ کو زیر بحث لاتے اور ان کا تقابل دوسرے ائمہ فقہ کی آراء سے کرتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب محاکمہ کا انداز لیے ہوئے ہے اور تربیت فکر کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

صحیح بخاری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے مولانا اصلاحی نے چند اہم نتائج کی نشاندہی کی ہے۔[۱۸] مثلاً یہ کہ اس کتاب کا مزاج کلامی ہے۔ کتاب الایمان کے مطالعہ سے احساس ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ کے فرقوں --مرجئہ، کرامیہ اور ان کے ہم مشربوں-- کے فتنوں کو مدنظر رکھا ہے اور ان روایات کو زیادہ اہمیت دی ہے جن میں ایمان قول وعمل کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ یہ بالکل صحیح نقطہ نظر ہے لیکن صحیح بخاری کی عظمت کے قائل ہونے کے باوجود امت نے مرجئہ ہی کا نقطہ نظر اپنایا ہوا ہے۔ دوسرے، یہ کہ امام صاحب کو اپنی کتاب پر نظرثانی اور اس کی ترتیب و تنقیح کی مہلت نہ مل سکی اور اس کی روایت شروع ہو گئی۔ اسی لیے کئی عنوانات تو قائم ہو گئے لیکن ان کے تحت کوئی روایت نہیں ہے۔ یا روایات تو نقل ہو گئیں لیکن ترجمہ باب سے ان کی مناسبت محل نظر ہے۔ تیسرے، امام صاحب کے عنوانات کا ایک خاص مزاج ہے۔ وہ موضوع کے بعید ترین گوشوں میں چلے جاتے اور اخذ مسائل کے لیے نہایت باریک استدلال کی راہ کھولتے ہیں۔ یہ چیز ان کے تفقہ کی دلیل اور تربیت فکر کے پہلو سے اہم ہے لیکن کبھی کبھی امام صاحب بعض غیر ضروری مسائل کی جانب بھی نکل جاتے ہیں۔ چوتھے، کتاب کی فقہی ترتیب کے باعث احادیث کا متفرق و متباعد ابواب میں تذکرہ ہوا ہے جبکہ معنی و مفہوم اور حکمت دین کے پہلو سے ان کا ذکر دوسرے ابواب میں ہونا چاہیے تھا۔ امام صاحب کی ترتیب کے باعث حدیث کے ایک طالب علم کے لیے صحیح بخاری سے استفادہ کے لیے مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے ایک طبقہ نے صحیح مسلم کی ترتیب کو صحیح بخاری کی ترتیب کی نسبت زیادہ سائنٹفک مانا ہے اور اس کو کتب حدیث میں فوقیت دی ہے۔

مولانا اصلاحی کی شرح حدیث اپنے اندر غور و فکر کی دعوت دیتی ہے، فہم حدیث کے بعض نئے پہلو سامنے آتے ہیں اور زندگی کے مسائل پر احادیث کا اطلاق آدمی کو ایک نیا دینی جذبہ عطا کرتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) دیکھیے مقالہ ''تفسیر تدبر قرآن کی بعض امتیازی خصوصیات'' از محمد فاروق خان؛ مقالہ ''تفسیر تدبر قرآن: ایک مطالعہ'' از محمد عمر اسلم اصلاحی؛ مقالہ ''تدبر قرآن-ایک منفرد تفسیر'' از الطاف احمد اعظمی، ششماہی علوم القرآن۔ مولانا امین احسن اصلاحی نمبر،ادارہ علوم القرآن علی گڑھ، انڈیا۔ جلد۱۳ تا ۱۵۔

(۲) جمہرۃ البلاغہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا شبلی نعمانی نے رسالہ الندوہ میں لکھا: ''یہ تصنیف (خصوصاً اس زمانہ میں) اسلامی جماعت کے لیے اسی قدر مفید اور ضروری ہے جس قدر ایک تشنہ لب اور سوختہ جاں کے لیے آب زلال''۔ (مقالات شبلی حصہ دوم)۔ اسی طرح دور حاضر کے پروفیسر محمد راشد ندوی لکھتے ہیں: ''یہ کتاب عربی زبان میں اس موضوع پر پہلی تصنیف ہے جو مولانا حمیدالدین فراہی کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے برصغیر کے علماء کے لیے باعث افتخار ہے''۔ (علامہ حمید الدین فراہی-حیات و افکار۔ مقالہ محمد راشد ندوی ''مولانا فراہی کے تنقیدی نظریات''۔ دائرہ حمیدیہ سرائے میر (انڈیا) ۱۹۹۲ء)

(۳) حمیدالدین فراہی، احکام الاصول باحکام الرسولؐ، ترجمہ خالدمسعود۔ ''احکام رسول کا قرآن مجید سے استنباط''۔ مجلّہ تدبر، لاہور، شمارہ 13، فروری 1985

(۴) حمیدالدین فراہی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۵۷، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، 1991ء

(۵) ''احکام رسول کا قرآن مجید سے استنباط''، مجلّہ تدبر، لاہور، شمارہ 13، فروری 1985ء

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً

(۸) ایضاً

(۹) مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۳۹، لاہور، فاران فاؤنڈیشن،1991ء

(۱۰) عبدالحمید الفراہی، رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن، ص 275، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر (انڈیا) 1991ء

(۱۱) مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۴۰، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، 1991

(۱۲) رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن، ص 278، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر (انڈیا) 1991ء

(۱۳) امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر حدیث، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

(۱۴) ''تفسیر تدبر قرآن-ایک مطالعہ'' از محمد عمر اسلم اصلاحی۔ ششماہی علوم القرآن۔ مولانا اصلاحی نمبر، ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ، انڈیا، جلد ۱۳ تا ۱۵۔ ص ۵۳

(۱۵) البزدوی، اسلام عقیدۃ و شریعۃ، ص ۷۶

(۱۶) الغزالی، المستصفی، ص ۱۴

(۱۷) یہ دونوں کتابیں ادارہ تدبر قرآن و حدیث، لاہور نے شائع کی ہیں۔2000 ء ، 2002ء

(۱۸) امین احسن اصلاحی، تدبر حدیث شرح صحیح بخاری جلد اول، ص 15-17، ادارہ تدبر قرآن و حدیث، لاہور،2002ء